شعر عربی کی مختصر تاریخ

از
جناب پروفیسر ڈاکٹر سید رغیب حسین ایم، اے
(پی۔ایچ۔ڈی) صدر شعبۂ فارسی بریلی کالج۔بریلی

(۲)

دورِ جاہلیہ

تبصرہ ۱۔ زہیر پہلا عربی شاعر ہے جس نے شعر کے صلہ میں مال حاصل کیا۔

۲۔ یہ پہلا شاعر ہے جس نے کلام کی بلندی اور ترقی کے لئے سال بھر تک کلام پر خود نظر ثانی کرتے رہنے اور اُس کو اسقام سے پاک کرتے رہنے کا مفید طریقہ ایجاد کیا۔ اس کا قول تھا کہ بغیر خود کانٹ چھانٹ کئے کلام کا بہتر اور بلند ہونا ممکن نہیں۔ چنانچہ یہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً خود نظر ثانی کرکے درست کرتا پھر اپنے خاص احباب کو سُناتا کہ اگر غلطیاں ہوں تو درست کرلوں۔ اس کے بعد وہ انہیں مجمع عام میں پڑھنا پسند کرتا تھا۔ اُس کے اکثر قصائد "حولیات" کے نام سے مشہور رہیں۔

۳۔ یہ اس کی خصوصیت ہے کہ اس کا کلام اس کی با وقار اور متین زندگی کا پورا عکس اور پرتو ہے جیسا یہ خود حلیم اور حکیم انسان تھا ایسے ہی حلم اور حکمت بھرے اُس کے اشعار تھے۔

۴۔ اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کے یہاں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مضامین اور محاسن پائے جاتے ہیں اور یہ اثر سال سال بھر تک خود نظر ثانی کرتے رہنے کا ہے۔

۵۔ اُس کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے اور مضامین دلنشین حکمت اور نصیحت کے لئے یہی طرزِ کلام زیادہ موزوں اور مفید ہوتا ہے۔

۶۔ مدح میں طرفہ کی طرح یہ بھی جھوٹ اور مبالغہ سے بچتا صرف واقعی خوبیوں ہی کا بیان کرنا

پسند کرتا۔

۷۔ اس کا کلام لفظی پیچیدگی، معنوی ابہام، نامانوس لغات سے اس قدر پاک ہے کہ بعض کے نزدیک اس کا درجہ طرفہ۔ نابغہ بلکہ امرؤالقیس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یعنی اشعر العرب یہی ہے۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

فلا تکتمنَّ اللہ ما فی صدورکم لیخفی۔ ومهما یُکتَمِ اللہ۔ یعلم
یؤخر فیوضع فی کتابٍ فیدَّخر لیوم الحساب او یُعجّلُ فینقم
وفیهم مقاماتٌ حسانٌ وجوههم واندیة ینتابها القول والفعل
علی مکثریهم رزقُ من یعتریهم وعند المقلّین السماحة والبذل

(۴) لبیدؓ

تذکرہ | آپ کا نام لبید اور کنیت ابوعقیل تھی۔ والد کا نام ربیعہ تھا۔ ہوازن مضر کی ایک بہادر شاخ بنو عامر سے تھے۔ اُن کی ولادت ۸۱ قبل نبوت ۵۳۲ء میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو طبیعت کے فطری مادہ نے شعر گوئی کی طرف مائل کر دیا۔ شعر کہتے اور سلامت ذوق سے اصلاح لیتے رہے۔ اُن کی شہرت کا ایک خاص واقعہ ہوا۔ نعمان بادشاہ کے دربار میں اُن کے قبیلہ بنو عامر کے کچھ لوگ اور قبیلہ بنو عبس کے کچھ لوگ اس لئے حاضر ہوئے کہ آپس کی ایک نزاع میں اُس سے فیصلہ کرائیں۔ عبس کا سردار ربیع بن زیاد نام ایک مشہور اور ہوشیار شخص تھا۔ وہ پہلے سے نعمان کا مصاحب اور ہم نوالہ و ہم پیالہ تھا۔ اُس نے اپنے سابقہ رسوخ کے باعث پہلے ہی سے نعمان کے کان عامریوں کے خلاف بھر رکھے تھے۔ عامری وفد جو حضرت لبید کے چچا ایک مشہور نیزہ باز کی سرکردگی میں وہاں گیا تو حضرت لبید بھی ساتھ تھے۔ نعمان نے عامریوں کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔ یہ صورتِ حال بنو عامر کے لئے سخت مضر اور پریشان کن تھی اور وہ مایوس ہو کر دربار سے قیامگاہ پر دل شکستہ واپس آئے۔ حضرت لبید اُن دنوں کم عمر لڑکے تھے اُنھوں نے چچا سے پریشانی اور دل شکستگی کا سبب پوچھا لوگوں نے لڑکا سمجھ کے اُن کو ٹال دیا۔ آخر بار بار اصرار کرنے پر دربار کا قصہ بتایا تو سیف زبان لڑکے نے کہا " بہت اچھا کل میں

اس شرارت کا اتنا سخت انتقام عبسیوں سے لوں گا کہ وہ یاد ہی کرینگے" رات میں اُنھوں نے عبسیوں کی ایک بڑی سخت ہجو کہی اور صبح کو اپنے چچا سے اصرار کیا کہ دربار میں آج مجھے بھی ہمراہ لے چلئے۔ چنانچہ چچا کے ہمراہ بادشاہ کے دربار میں گئے جہاں علاوہ بادشاہ اور اُس کے مقربین کے متخل اور نابغہ ذُبیانی جیسے قادر الکلام شاعر بھی موجود تھے۔ پہونچتے ہی بیف زبان لبید نے کہا میں کچھ اشعار سُنانا چاہتا ہوں۔ بچہ سمجھ کر لوگوں نے اجازت دیدی تو انھوں نے عبسیوں کی ہجو میں جو قصیدہ رات کو تیار کیا تھا بڑے جوش سے پڑھا اس کا پہلا مصرع تھا "ع مَهلًا! اَبَيْتَ اللَّعْنَ! لَا تَاكُلْ مَعَهُ" نظم بڑے زور کی تھی۔ قصیدہ کی برجستگی "زُبان کی روانی" عبسیوں کی شرارتوں کی تفصیل "شاعر کے تیور" ان سب چیزوں نے مل کر تمام حاضرین کو محوحیرت کردیا۔ بادشاہ پر اس کا بڑا اثر ہوا اور اُس نے عبسیوں کی طرفداری چھوڑ دی اور بنو عامر کی بڑی عزت کی اور اُن کے مقدمہ کا فیصلہ انصاف سے کیا اور انعام دیکر اُن کو رخصت کیا۔ دربار سے واپس ہوتے ہوئے نابغہ نے حضرت لبیدؓ سے دریافت کیا کہ۔ "صاحبزادے! یہ اشعار تمہارے ہی تھے یا کسی اور کے تھے؟ انھوں نے کہا جی میرے ہی تھے اور رات ہی کو نظم کئے۔ کہنے لگا کچھ اور اشعار اگر کہے ہوں تو سُناؤ۔ انھوں نے اپنا ایک دوسرا قصیدہ پڑھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے:۔ "الم ترجع الی الدمن الخوالی" الخ نابغہ نے کہا صاحبزادے! میں تم کو ایسا نہیں سمجھتا تھا تم تو بنو عامر کے سب سے بڑے شاعر معلوم ہوتے ہو۔ اچھا کچھ اور کہا ہو تو سناؤ انھوں نے اپنا ایک تیسرا قصیدہ پڑھا "طلل لخولة فی الرسیس قدیمؔ" اب تو نابغہ پھڑک گیا اور اُس نے کہا تم نہ صرف بنو عامر کے بہترین شاعر ہو بلکہ تم تو بنو قیس کے بھی سب سے بڑے شاعر ہو (پھر شاید اسی سفر میں یا کسی اور موقع پر) نابغہ نے ان سے کہا کہ اپنا کلام سُناؤ تو انھوں نے اپنا وہ قصیدہ سُنایا جو سبعہ معلقہ میں ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

عَفَتِ الدِّيَارُ مَحَلُّهَا فَمُقَامُهَا ... بِمِنًى تَأَبَّدَ غَوْلُهَا فَرِجَامُهَا

تو نابغہ اس سنگلاخ زمین میں اتنا عمدہ قصیدہ سُنکر پھڑک اٹھا اور اُس نے کہا "میرے نزدیک تم خاندانِ ہوازن کے سب سے بڑے شاعر ہو" نابغہ جیسے ملک الشعراء کی یہ داد اور یہ رائے معمولی

چیز نہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شعراء عرب میں کیا درجہ ہے۔

حضرت لبیدؓ نے ہجرت سے قبل مکہ ہی میں بعمر ۹۰ سال اسلام قبول کیا اور جیسے قرآن اترتا گیا یہ اُسے یاد کرتے گئے۔ اگرچہ اس کے بعد بھی تقریباً ۵۵ سال اور بھی زندہ رہے مگر قرآن کا پُر شوکت اور معجزانہ کلام دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ بجز ایک دو شعر کے پھر انھوں نے شعر نہیں کہے۔ جب لوگ شعر کہنے کو کہتے تو فرماتے یکفینی القرآن فنعم ہو بدلا من الاشعار (یعنی مجھے قرآن کافی ہے کیونکہ وہ شعر و شاعری کا بڑا ہی اچھا بدل ہے)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ انھوں نے اسلام کے بعد بس یہ دو شعر کہے۔

الحمد للہ اذ لم تاتنی اجلی — حتی اکتسیت من الاسلام ربالا

ماعاتب الحر الکریم کنفسہ — والمرء یصلحہ الجلیس الصالح

ان کا انتقال ۴۱ھ؁ ۶۶۰ء میں بعہد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بعمر ۱۴۷ سال کوفہ میں ہوا۔ اُن کا دیوان طبع شدہ ہے۔

تبصرہ | ۱۔ اُن کے اشعار میں زائد اور بھرتی کے لفظ نہیں ہوتے۔

۲۔ اُن کے کلام میں حکمت اور نصیحت کے مضامین زیادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے ایک شعر کی تعریف خود حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ اصدق کلمۃ قالہا شاعرٌ کلمۃُ لبیدٍ

ے الا کل شی ماخلا اللہ باطلٌ — وکلُ نعیمٍ لا محالۃ زائلٌ

۳۔ اُن کے یہاں الفاظ نہایت پر شوکت اور بندش نہایت چُست ہوتی تھی۔

۴۔ مرثیہ گوئی پر اور درد ناک مضامین کے ادا پر اُن کو بہت قدرت تھی۔

۵۔ مناظر کی تصویر کشی یا واقعات کی جزئیات نگاری میں بھی اُن کو کمال حاصل تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے معلقہ میں نیل گائے اور گورخر کی جو تصویر کھینچی ہے وہ بے مثل ہے۔

اُن کے کلام کا نمونہ ہے:-

فلا جزعٌ ان فرّق الدهر بیننا ۔ فکل امرءٍ یوماً به الدهر فاجعُ

وما الناس الا عاملان ۔ فعاملٌ ۔ یتبّرُ ما یبنی واٰخر رافعُ

فمنهم سعیدٌ ۔ اٰخذٌ بنصیبه ۔ ومنهم شقیٌّ بالمعیشة قانعُ

الا کل شیئٍ ما خلا الله باطلُ ۔ وکل نعیم لا محالۃ زائلُ

وکل اناس سوف تدخل بینهم ۔ دُوَیهیۃٌ تصفرّ منها الانامل

---

(۵) عمرو بن کلثوم

تذکرہ | اس کا نام عمرو اور اُس کے باپ کا نام کلثوم تھا ۔ عمرو کی کنیت ابوالاسود تھی ۔ بنو تغلب کا سردار تھا ۔ اس کی ماں لیلیٰ مہلہل کی بیٹی تھی ۔ اور اس کا باپ کلثوم عرب کا مشہور شہسوار تھا چونکہ اُس نے رئیسوں ۔ بہادروں اور شاعروں میں پرورش پائی تھی اس لئے اُس کے اندر خودداری فخر ۔ بہادری ۔ شاعری کے مادّے بدرجہ اتم موجود تھے ۔ عمرو ابھی پندرہ برس کا نوعمر لڑکا ہی تھا جب اس کو قبیلہ کا سردار بنا دیا گیا چنانچہ اُس نے اپنے معلقہ والے قصیدہ میں اس کمسنی کی سرداری کا ذکر ذرا مبالغہ کے ساتھ مگر بڑے مزہ میں کیا ہے ۔ کہتا ہے :۔

اذا بلغ الفطام لنا صبیٌّ ۔ تخرّ له الجبابر ساجدینا

یعنی ہمارے قبیلہ میں بہادری موروثی اور عام ہے کہ جس وقت ہمارے خاندان کے کسی بچہ کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اسوقت بھی اُس کے اندر بہادری اور سرداری کے ایسے جوہر ہوتے ہیں کہ دُنیا کے بڑے بڑے جبار اور ترم باز بھی اُس کی سرداری تسلیم کرکے اُس کے سامنے سجدے کرنے لگتے ہیں ۔

بنو تغلب اور بنو بکر میں " بسوس کی جنگ " عرصہ تک چلتی رہی اس میں عمرو نے کئی معرکے سر کئے تھے ۔ آخر عمرو بن ہند شاہ حیرہ نے بیچ بچاؤ کرکے دونوں قبیلوں میں میل کرا دیا ۔ لیکن ایک بار شاہ حیرہ عمرو بن ہند کے دربار میں بنو بکر کا مشہور شاعر حارث بھی موجود تھا اور ابن کلثوم بھی تھا کسی معاملہ میں طرفین میں گفتگو ہونے لگی بات بڑھ گئی اور گالی گلوچ ہونے لگی ۔ ابن ہند بادشاہ نے حارث

سے باہمی تعلقات کے بارہ میں پوچھا تو اُس نے برجستہ اپنا وہ قصیدہ کہا جو سبعہ معلقہ میں آخر میں موجود ہے۔ اس میں اس نے نہایت متانت سے اپنے قبیلہ بنو بکر کے مفاخر اور بنو تغلب کی مسلسل زیادتیاں دکھائیں۔ ابن ہند بادشاہ پر اس قصیدہ کا اتنا اثر ہوا کہ اس وقت سے وہ بنو بکر کا طرفدار ہوگیا۔ ابن کلثوم ناراض اور مایوس ہو کر بے اجازت وہاں سے واپس چلا آیا۔ ابن کلثوم کی اس حرکت پر بادشاہ اُس سے ناخوش ہوگیا اور اُس نے چاہا کہ تغلبیوں کا غرور کسی طرح توڑے۔ اہل دربار سے پوچھا "ہے عرب بھر میں کوئی ایسا ناک ٹیک والا جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے سے عار کرے۔" لوگوں نے کہا "ہمارے خیال میں تو عمرو بن کلثوم تغلبی کی ماں لیلیٰ ایسی ہی ہے کیونکہ اس کا باپ مہلہل تھا جو تغلب کا ایک مشہور رئیس اور مشہور بہادر اور ممتاز شاعر تھا۔ پھر کلثوم اس کا شوہر تھا جو عرب کا ممتاز ترین شہسوار تھا۔ پھر عمرو بن کلثوم اس کا بیٹا ہے۔ جو مشہور شاعر بہادر اور سردار قبیلہ ہے وہ یقیناً ایسی ناک ٹیک والی ہے کہ بادشاہ سلامت کی والدہ کی خدمت کرنے سے شاید عار کرے۔"

یہ سُنکر ابن ہند بادشاہ نے امتحان کے لئے عمرو بن کلثوم کو دعوت دی اور یہ کہلایا کہ اپنی والدہ کو بھی ہمراہ لاؤ اُن کی ہم نے بہت تعریفیں سُنی ہیں۔ ابن کلثوم اپنی والدہ کو اور چند سواروں کو لے کر بادشاہ کے یہاں پہونچا۔ بادشاہ نے ابن کلثوم کو اپنے قریب ٹھہرایا اور لیلیٰ کو اپنی ماں اور بیوی کے پاس زنان خانہ میں پہونچا دیا اور بادشاہ نے پہلے ہی اپنی ماں کو سمجھا دیا تھا کہ لیلیٰ تغلبی آئے گی تو تم ذرا خوبصورتی سے اُس سے کسی کام کو کہنا ذرا دیکھو کہ وہ کر دیتی ہے یا قومی غرور میں اینٹھ کر انکار کر دیتی ہے چنانچہ کئی دن تک دعوتیں رہیں۔ ایک دن بادشاہ کی ماں نے باتوں باتوں میں لیلیٰ سے کہا "بی بی ذرا وہ سینی تو اُٹھا دینا" لیلیٰ بولی "جسے ضرورت ہو اُسے خود اُٹھانا چاہیئے"۔ بادشاہ کی ماں نے کہا۔ "ارے ذرا اُٹھا دیتیں تو کیا شان کم ہو جاتی" لیلیٰ اُس پر سخت برافروختہ ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور صحن میں نکل کر اُس نے بلند آواز سے کہا "دہائی ہے بنو تغلب کی" اس وقت بادشاہ اور ابن کلثوم بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ماں کی دُہائی کی آواز جو اُس کے کان میں پڑی تو وہ سمجھا کہ شاید میری ماں کو ذلیل کیا گیا ہے۔ بس اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بادشاہ کی تلوار سامنے دیوار میں لٹکی ہوئی تھی لپک کر اُس نے

اُسے اُتار کر سونت لیا اور بجلی کی تیزی سے بادشاہ پر وار کیا اور سر اُڑا دیا۔ اہلِ دربار نے اس پر حملہ کیا مگر وہ نہایت مردانہ وار اُن سے مقابلہ کرتا ہوا باہر نکل آیا اور نہایت پھرتی سے اپنی ماں کو گھوڑے پر ساتھ لیکر روانہ ہو گیا اور اپنے سواروں کو جلد واپسی کا حکم دیا وہ سب بھی لڑتے بھڑتے نکل گئے۔ اگلے سال اُس نے بھی عکاظ کے مشہور بازار یا میلے میں ایک قصیدہ بالبداہت اور برجستہ کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

الا ھُبّی بصحنک فاصبحینا ولا تبقی خمور الاندرینا

یہ قصیدہ سبعہ معلقہ میں پانچواں قصیدہ ہے اور بحر کی روانی۔ الفاظ کی خوبی۔ فخر کی چاشنی جوانی کی مستی۔ خودداری اور بانکپن کی نمود کے باعث بہت پسند کیا۔ اور بنو تغلب کے توبچہ بچہ نے اسے یاد کر لیا۔ سال بھر تک ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر طرف اسی قصیدہ کی گونج سُنائی دیتی تھی۔ یہاں تک کہ بنو بکر کے ایک شاعر نے طعنہ دیتے ہوئے کہا۔

اَلھیٰ بنی تغلب عن کل مکرمۃ قصیدۃٌ قالھا عمرو بن کلثوم

یعنی عمرو بن کلثوم نے ایک قصیدہ کیا کہہ دیا ہے کہ اب بنو تغلب کو سوا اس کے پڑھتے رہنے کے خود کوئی بھلمنساہت کا کام کر دکھانے سے کوئی مطلب ہی نہیں رہ گیا۔ ابن کلثوم تقریباً ۵۷۰ء میں مرا ہے۔ اس کے معلقہ کے سوا اُس کے اور اشعار بہت ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ بھی فخر نسب اور ذکر فضائل ہی سے بھرے ہوئے ہیں۔

تبصرہ | ۱۔ بدیہہ گوئی میں یہ شاعر اپنے حریف حارث سے کسی طرح کم نہیں تھا۔

۲۔ فخر اور غرور کے مضامین کو قلبی جوش اور جوانی کے بانکپن کے ساتھ اور شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ جس طرح اُس نے بیان کیا ہے اس طرح شاید ہی کسی نے کیا ہو۔

۳۔ غیرت اور قومی حمیت اور خودداری اور ذلت کے لئے آمادہ نہ ہونا جس طرح اُس نے کام سے ظاہر کیا اسی طرح اپنے کلام میں بھی ظاہر کیا جس کے اثر سے آج بھی مردہ و افسردہ دل گرما اُٹھتے ہیں۔

۴۔ اُس کے ایک قصیدہ نے اُسے حیاتِ دوام بخشی۔ سلاست اور بندش کی صفائی تو اُس کی

کیز معلوم ہوتی ہے۔

نمونہ کلام یہ ہے

وقد علم القبائل من معدٍ　　اذا قُبَبٌ بأبطحها بُنِیا

بانا التارکون اذا سخطنا　　وأنا الآخذون اذا رضینا

الا لا یجهلن احدٌ علینا　　فنجهل فوق جهل الجاهلینا

اذا بلغ الفطام لنا صبیٌ　　تخر له الجبابر ساجدینا

(۷) عنترہ

تذکرہ | اس کا نام عنترہ اور باپ کا نام شداد تھا جو قبیلہ بنو عبس کے شرفا میں تھا مگر عنترہ کی ماں زبیبہ نام ایک حبشی لونڈی تھی اس لئے باپ نے عنترہ کو برادری میں شامل نہیں کیا بلکہ اپنا غلام ہی بنائے رکھا۔ وہ اس سے اونٹ چرواتا اور دوسرے کام لیتا۔ مگر چونکہ عنترہ کی رگوں میں شریف خون تھا اس لئے وہ صاحب حوصلہ تھا۔ اونٹ چرانے جاتا تو اپنے طور پر تیر چلاتا۔ نیزہ چلاتا گھوڑے کی سواری وغیرہ فنون جنگ کی مشق کرتا۔ یہاں تک کہ ان سب کاموں میں خوب ماہر ہوگیا۔ عنترہ کو اپنے باپ کی یہ بات بہت ناگوار تھی کہ وہ برادری میں اُسے اپنا بیٹا نہیں بلکہ برابر غلام ہی کہتا ہے۔ ایک دفعہ کچھ ڈاکوؤں نے بنو عبس پر ڈاکہ مارا۔ شداد نے عنترہ سے کہا دیکھتا کیا ہے تو بھی حملہ کر وہ بولا "غلام کو لڑنے اور حملہ کرنے سے کیا تعلق! شداد نے کہا" اچھا تو آج سے آزاد اور برادری میں سب کا ہمسر ہے جا لڑ۔ یہ سُنکر خوش ہوگیا اور جان توڑ کر لڑا اور بالآخر ڈاکوؤں کو مار بھگایا۔ اس دن سے اُس کی بجھی طبیعت ابھرنے لگی اور اسی دن سے اُس نے شعر بھی کہنے شروع کئے ورنہ غلامی کے زمانہ میں اُس نے ایک مصرع بھی نہیں کہا تھا۔ جنگ داحس میں عنترہ نے بڑی جوانمردی اور بہادری دکھائی یہاں تک کہ عرب کے مشہور شہسواروں اور بہادروں میں گنا جانے لگا۔ اُس کا دیوان چھپ گیا ہے۔ اُس کی بہادری کے افسانے تفریحی داستانوں میں بہت مشہور ہیں۔ اُس کا انتقال ۶۱۵ء میں قبل ہجرت ہوا۔

تبصرہ | ۱۔ اُس کی شاعری میں الفاظ کی موزونیت اور بندش کی چستی کے باعث ایک خاص موسیقیت اور ترنم محسوس ہوتا ہے جس سے اُس کا کلام بہت دلکش ہو گیا ہے۔

۲۔ اُس کے کلام میں تغزل کی چاشنی اور فخر کی بلند آہنگی دونوں چیزوں کی ایک نہایت لطیف آمیزش پائی جاتی ہے۔

۳۔ اس کے کلام میں زہیر اور ابن کلثوم کی طرح سہل اور عام فہم طرز میں ہیں جو فصاحت کی اعلیٰ قسم ہے۔

۴۔ اس کے یہاں زیادہ تر یہ مضامین پائے جاتے ہیں۔ فخر، شجاعت، رحمت، سخاوت عشق، مروت، وفا۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

یا دار عبلة بالجواء تکلمی	وعمی صباحًا دار عبلة واسلمی
ولقد شربت من المدامة بعد ما	رکد الهواجر بالمشوف المعلم
فاذا سکرت فاننی مستهلك	مالی - وعرضی وافر لم یُکلم
واذا صحوت فما اقصر عن ندیً	وکما علمت شمائلی وتکرمی
لمّا رأیت القوم اقبل جمعهم	یتذامرون کررت غیر مُذمم

(۷) حارث

تذکرہ | اس کا نام حارث اور اس کے باپ کا نام حلزہ تھا۔ حارث کی کنیت ابوالظلیم تھی قبیلہ بنو بکر میں سے یشکُر کے گھرانہ سے تعلق تھا اس کا درجہ بنو بکر میں وہی تھا جو بنو تغلب میں عمرو بن کلثوم کا تھا۔ بنو بکر اور بنو تغلب باہم رشتہ دار بھی تھے۔ چنانچہ ابن کلثوم کے نانا مہلہل کے بھائی کلیب کی شادی بنو بکر میں ہوئی تھی اس قرابت کے با وجود دونوں میں باہم رقابت اور چشمک بھی تھی۔

حارث کا جو قصیدہ سبعہ معلقہ میں ہے وہ ابن کلثوم کے قصیدہ سے پہلے کہا گیا ہے۔ واقعہ یوں ہوا تھا کہ دونوں قبیلوں میں "بسوس کی جنگ" جب عرصہ تک ہوتی رہی تو حیرہ کے بادشاہ عمرو بن ہند نے دونوں میں صلح کرادی۔ اس صلح کے بعد کچھ تغلبی سوار بادشاہ کے حکم سے بنو بکر کی بستیوں کے پاس سے گذرتے ہوئے کسی اور جگہ جارہے تھے بنو بکر کے ایک تالاب پر اپنی منزل کا راستہ اور پتہ پوچھا لوگوں نے صحیح راستہ بتادیا۔ اتفاق سے تغلبی سوار راستہ بھٹک کر کسی جنگل بیابان میں جاپڑے جہاں اُن کو پانی نہ مل سکا اور وہ سب مر گئے۔ تغلبیوں نے یہ واقعہ سُنا تو انھوں نے ابن کلثوم کو بادشاہ کے پاس بنو بکر کی یہ شکایت لیکر بھیجا کہ "بنو بکر نے نہ ہمارے سواروں کو اپنے تالاب پر اُترنے دیا اور نہ انھیں صحیح راستہ بتایا بلکہ قصداً غلط راستہ بتاکر سب کو ہلاک کردیا چونکہ اُن سواروں کے پیاسے مرنے کے ذمّہ دار بنو بکر ہیں اس لئے ان سے ہمارے ان سواروں کا خون بہا دلایا جائے" بادشاہ نے بنو بکر کو جواب دہی کے لئے طلب کیا ان کی طرف سے یہی حارث چند سوار لے کر دربارشاہی میں حاضر ہوا۔ چونکہ اس کے چہرہ پر برص (پھلبہری اور سفید داغ) کا اثر تھا اس لئے بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے جواب دہی کے لئے کسی پردہ کے پیچھے کھڑا کرو اس پر میری نظر نہ پڑنے پائے جب حارث پردہ کے پیچھے آگیا تو بادشاہ نے پہلے ایک دفعہ پھر ابن کلثوم سے اس کا دعویٰ پوچھا اُس نے اپنا دعویٰ دُہرایا۔ حارث نے پردہ کے پیچھے سے اس کی تردید کی۔ اس پر ابن کلثوم نے اُسے جھوٹا کہا اُس نے ابن کلثوم کچھ بُرا بھلا کہا تو بادشاہ نے ابن کلثوم کو روک کر حارث سے کہا کہ تم کل واقعات باہمی رنجش کے اور یہ تازہ واقعہ صاف صاف بیان کرو۔ اتنا موقع جو حارث نے پایا تو اُس نے نثر میں گفتگو چھوڑ کر بالبدیہہ وہ قصیدہ کہا جو معلقہ میں شامل ہے اس کا مطلع یہ ہے۔

آذنتنا ببینها اسماء   ربّ ثاوٍ یمل منه الثواء

اس وقت حارث اپنی کمان پر ٹیک لگائے اور سہارا دیئے کھڑا بداہتہً جوش میں اشعار کہے جارہا تھا اور کمان کی نوک اس کی ہتھیلی میں گڑتی چلی جارہی تھی یہاں تک کہ آر پار ہوگئی مگر اُسے جوش میں کچھ پتہ نہ چلا۔ اُس نے قصیدہ شروع کیا تو حسب دستور ایک فرضی عشق و محبت کی داستان

ہے، پھر بنو تغلب کی متعدد اور مسلسل زباندانیاں اور ہٹ دھرمیاں بیان کیں۔ اُسی کے بیچ بیچ میں اپنی قوم کے وقار اور مفاخر کو نہایت متانت اور سنجیدگی سے بیان کیا اور بیچ میں بادشاہ کی عنایتوں کا اور انصاف کا بھی برابر ذکر کرتا گیا۔ اس طرزِ خطاب سے بادشاہ بہت محظوظ بلکہ متاثر اور مسحور ہوتا رہا آخر اُس نے بیچ کا پردہ ہٹوا دیا اور غایت عنایت میں اُس نے حارث کو اپنے تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا جس وقت قصیدہ ختم ہوا اُس وقت بادشاہ تغلبیوں کے بالکل خلاف اور بنوبکر کا بالکل طرفدار ہو چکا تھا۔ یہ حال دیکھ کر ابن کلثوم بادشاہ سے خفا اور مایوس ہو کر بے اجازت دربار سے اٹھ کر چلا گیا۔ بادشاہ نے تغلبیوں کا یہ غرور دیکھا تو اُن کو ذلیل کرنے کے لئے اُس نے ابن کلثوم کو مع اس کی والدہ لیلیٰ کے بلوایا تھا جس کا قصہ ہم ابن کلثوم کے حالات میں لکھ آئے ہیں اُس نے یہ قصیدہ ۱۳۵ برس کی عمر میں کہا ہے۔ اس کا انتقال تقریباً ۵۳۰ء میں ہوا ہے۔

تبصرہ ۱۔ حارث اگر اپنا معلقہ والا قصیدہ ایک برس کی طویل مدت میں بھی کہتا تو بھی لاجواب تھا نہ کہ فی البدیہہ کہنا۔

۲۔ اُس کے کلام میں بلا کی آمد اور روانی ہے۔

۳۔ اس کے قصیدہ کے واقعہ نظم سے اور خود اس قصیدہ سے اس کی قادر الکلامی اور حاضر جوابی۔ شجاعت اور بیباکی۔ انصاف پسندی۔ متانت اور ان سب سے بڑھ کر اس کی حکمت اور موقع شناسی کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ اپنی جنگوں کا حال قومی مفاخر۔ بادشاہ کی عنایتوں کا اعتراف۔ رقیب قریب بنو تغلب کی زباندانیاں۔ اپنے قبیلہ کی بردباری وغیرہ امور کو نہایت خوبی اور دلکش روانی کے ساتھ اور شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ اُس نے ادا کیا ہے گویا ایک فصیح البیان بیرسٹر اپنے مقدمہ کی پیروی بہت کامیابی کے ساتھ کر رہا ہے۔

۴۔ تفاخر اور متانت کی بہترین آمیزش ہم کو اسی کلام میں ملتی ہے اور یہ اس کی پختہ عمری کا باعث ہے۔

۵۔ اس کا کلام بھی زہیر بن ابی سلمیٰ کے کلام کی طرح حکمت اور تجربہ ضرب المثل ہونے کے لائق

مصرعول سے بھرا ہوا ہے

۶۔ اس کے اور ابن کلثوم کے قصائد میں موازنہ یہ ہے کہ (الف) حارث کے یہاں جہاندیدہ تجربہ کار کی پختہ کاری ہے اور ابن کلثوم کے یہاں جوانوں کی مستی اور تیز زبانی (ب) حارث عین مقدمہ کی پیشی کے وقت بادشاہ کے دربار میں بالبداہت برجستہ قصیدہ نظم کرتا گیا اور سناتا گیا اور ابن کلثوم نے بھی اگرچہ عکاظ میں بالبدیہہ ہی قصیدہ نظم کر کے سنایا لیکن بادشاہ کی عدالت اور مقدمہ کی پیشی سے غالبًا سال بھر کے بعد کہا (ج) ابن کلثوم نے ایک چلتی ہوئی بحر اپنے قصیدہ کے لئے انتخاب کی جس کو ترنم سے اچھی طرح گایا جا سکتا ہے اور جس میں نومشق شاعر کہا کرتے ہیں جسے عام لوگ خصوصًا نوجوان بہت پسند کرتے ہیں یعنی بحر وافر اس میں اُس نے اپنی عمر کی رعایت کی تھی لیکن حارث نے عام رواجی بحروں سے ذرا ہٹ کر اُستادانہ بحر اختیار کی جسے ایک پختہ کار اور صاحبِ ذوق شاعر ہی سنبھال سکتا ہے (د) ابن کلثوم کے یہاں حسن تشبیب کے علاوہ اگر کوئی مضمون سارے قصیدہ بھر میں پایا جاتا ہے تو وہ صرف تعلّی اور تفاخر ہے لیکن حارث کے یہاں حلم و وقار، حکمت، شجاعت اور اُس کے ساتھ عفو و درگذر، احسان اور اُس کے ساتھ عدم امتنان وغیرہ بہت سے مفید مضامین ہیں اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

ان اخواننا الاراقم یغلو — ن علینا فی قیلهم احفاء

یخلطون البریٔ منا بذی الذ — نب ولا ینفع الخلی الخلاء

ایها الناطق المرقش عنا — عند عمرو وهل لذاک بقاء

اترکوا الطیخ والتعاشی فاما — تتعاشوا ففی التعاشی الداء

بقیہ اصحاب معلقات: حماد راویہ کے نزدیک جو اصحاب معلقات تھے اُن کا ذکر تو ہم کر چکے لیکن تبریزی کی روایت اور پسند کے معلقات چونکہ دس ہیں اور وہ بھی ادبا کے نزدیک معتبر ہے اس لئے بقیہ تین اصحاب معلقات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

---

(۸) نابغہ

تذکرہ | اس کا نام زیاد، کنیت ابو امامہ اور لقب نابغہ ہے۔ باپ کا نام معاویہ تھا۔ اُس کا تعلق قبیلہ قیس کی ایک مشہور شاخ ذُبیان سے تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس نے نہ تو بچپن میں کوئی شعر کہا اور نہ جوانی میں۔ حالانکہ شعر و دیگر فنون لطیفہ کیطرف عموماً انھیں دو مراحل عمر میں رجحان اور میلان ہوا کرتا ہے۔ بلکہ جب ادھیڑ عمر کو پہونچا تو یکایک شعر کہنے لگا گویا طبیعت میں کوئی سوت تھی جو پھوٹ بہی یا کوئی رگ تھی جو کھُل گئی!! اور اشعار کے اسی یکایک بہہ نکلنے پر لوگ اُسے نابغہ کہنے لگے۔

بعض علما ادب کا خیال ہے کہ جاہلیت کے شعراء میں بجز امرؤالقیس کے اور کوئی اُس کے ٹکر کا نہیں۔ حیرہ کے بادشاہ نعمان نے اُس کی بہت سرپرستی کی۔ کیونکہ وہ علم پرست اور شعر نواز بادشاہ تھا۔ اُس نے نابغہ کو انعامات دیکر مالامال کر دیا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ نابغہ کے پاس نہایت وافر مال، چاندی سونے کے برتن اور کئی کئی کنیزیں اور غلام تھے اور وہ چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا کھاتا تھا۔ عرب میں ایک شاعر کا اتنا دولت مند ہونا اور پھر شعر کے ذریعہ کسبِ کمال اور جلبِ زر کرنا اور پھر اس شاعر کا ادھیڑ عمر میں یکایک شاعر ہو جانا۔ یہ تینوں باتیں بہت عجیب تھیں اس لئے نابغہ کی شہرت بہت جلد اور بہت زیادہ ہو گئی۔

مشہور ہے کہ نعمان بادشاہ کی ایک بیوی جس کا نام متجردہ تھا بہت حسین تھی۔ نعمان کی فرمائش پر نابغہ نے اُس کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا اس میں نابغہ نے تو متجردہ کے حُسن اور موزونی اعضا کا بیان محض اپنی قوت متخیلہ سے کیا لیکن اس کا بیان کچھ اس حد تک واقعیت اور صحت کے قریب تھا کہ نعمان کو شبہ ہوا کہ اُس نے متجردہ کو ضرور قریب سے دیکھا ہے دربار میں ایک شاعر منخل بھی تھا اُس نے اپنا پردہ رکھنے کے لیے اس شبہ کی تائید کی۔ اس پر نعمان نابغہ کو سزا دینے کی تدبیر میں تھا کسی طرح نابغہ کو اس کا پتہ لگا تو وہ بھاگ کر غسان کے بادشاہ عمرو کے پاس پناہ لینے پہونچا۔ یہاں بھی وہ نعمان کا دربار اور اُس کے انعامات کو بھولا نہیں آخر اُس نے ایک قصیدہ معذرت میں لکھکر نعمان کے پاس بھیجا جس سے اُس کی غلط فہمی دور ہوئی اور نابغہ ایک بار پھر نعمان کے دربار میں آگیا۔

عکاظ کے بازار میں جب یہ شرکت کو جاتا تو اُس کے لئے ایک ممتاز سُرخ چرمی خیمہ نصب کیا جاتا اور لوگ بادشاہوں کی طرح اُس کی قدر کرتے۔ اُس نے طویل عمر پائی آخر ہجرت نبوی سے کچھ ہی قبل ۶۰۴ء میں مر گیا۔

تبصرہ | ۱۔ یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے شعر گوئی کو ذریعہ معاش بنایا۔ اسی وجہ سے آزاد عرب اسے بے وقعت جانتے۔

۲۔ اس کے کلام میں انتخابِ الفاظ ایسا بے مثل ہوتا کہ اس کا کلام سیدھا دل میں اُتر جاتا۔

۳۔ عرب کے غیر متمدن ملک میں اس کا درجہ وہ تھا جو متمدن ممالک میں "ملک الشعراء" کا ہوتا ہے یہ جس طرح نعمان کے دربار میں ملک الشعراء تھا اسی طرح عکاظ کے بازار میں عوام بھی ملک الشعرائی کا درجہ دیکر دیگر شعراء کے کلام کو جانچنے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے اسی کو حکم بناتے۔

۴۔ اُس کے یہاں آمد۔ روانی۔ سادگی اور برجستگی غضب کی ہوتی۔ تکلف اور آورد اُس کے یہاں نام کو بھی نہ ہوتا۔

۵۔ بعد کے شعراء میں سے صرف متنبی نے اُس کا چربہ اُڑایا ہے۔ چنانچہ متنبی کے کلام پر اسی کے کلام کا اثر ہے۔

۶۔ خوف اور معذرت اس کا خاص مضمون اور خاص میدان ہے۔ یہ مضامین اس سے بہتر کسی نے نہیں بیان کئے۔ اُس کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

فانك شمس والملوك كواكب ۔۔۔ اذا طلعت ۔ لم يبد منهن كوكب

ولا عيب فيهم غير ان سيوفهم ۔۔۔ بهن فلول من قراع الكتائب

نُبّئتُ ان ابا قابوس اوعدني ۔۔۔ ولا قرار على زأر من الاسد

---

(۹) میمون اعشیٰ

تذکرہ | اس کا نام میمون اور کنیت اعشیٰ اور ابو بصیر تھا۔ باپ کا نام قیس تھا۔ بنو بکر بن وائل سے

اس کا تعلق تھا۔ یہ شخص پہلے ایک مشہور شاعر ابن علس کا صرف راوی تھا اور یمامہ کے شہر منفوحہ میں رہتا تھا۔ ابن علس کی صحبت سے اُس کا ذوق شاعری بہت نکھر گیا اور پھر اُس نے بھی اشعار کہنے شروع کئے اُس نے بھی نابغہ کی طرح امراء و رؤسا کی مداحی کو ذریعہ معاش بنایا۔ چونکہ یہ اپنے اشعار گاکر پڑھا کرتا تھا اس لئے لوگ "صناجۃ العرب" کہنے لگے۔ صناجہ کے معنی جھانجھ کے ہیں جو ایک باجہ ہے۔

یہ جس طرح مدح میں مشہور ہے اُسی طرح ہجو کرنے میں بھی بہت مشہور ہے۔ لوگ اگر ایک طرف دل سے یہ تمنا کرتے کہ کاش اعشیٰ میری فلاں صفت یا فلاں چیز کی تعریف میں کچھ اشعار کہہ دیتا تاکہ اُس کی شہرت عام ہو جائے اور لوگ اُس کی طرف متوجہ ہوں تو دوسری طرف اُس کی ہجو سے بھی بہت ڈرتے رہتے تھے اور ایسے امور سے بچتے جن سے وہ ناخوش ہو کر ہجو کہنے لگے کیونکہ پھر وہ سارے عرب میں بدنام ہو جاتا۔

ایک شخص محلق کی تین بیٹیاں تھیں جن کو بَر نہیں ملتا تھا اور اُن کی عمریں زیادہ ہوتی جا رہی تھیں آخر محلق نے اعشیٰ کی دعوت کی۔ اس میں بہت اہتمام کیا اُسے شراب بھی پلائی۔ جب اُسے سرور ہوا تو محلق نے کہا کہ میں لڑکیوں کی شادی نہ ہونے سے سخت فکر مند ہوں۔ بَر ملتے نہیں اگر آپ اس میں میری کچھ مدد کر سکیں تو کر دیجئے۔ اُس نے اُن لڑکیوں کی مدح میں قصیدہ کہا اور اپنے راوی کو دیدیا۔ قصیدہ کا مشہور ہونا تھا کہ بڑے اُونچے اونچے خاندانوں سے اُن لڑکیوں کے لئے پیام آنے لگے آخر بہت جلد وہ تینوں لڑکیاں اُٹھ گئیں۔

آخر عمر میں اُس کی بینائی جاتی رہی۔ اُسی زمانہ میں اُس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور نبوت کا حال سُنا تو کچھ کشش اسے اسلام کی طرف ہونے لگی تو اُس نے ایک قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا جس کا مطلع یہ تھا۔

الم تغتمض عیناک لیلۃ ارمدا — وبت کما بات السلیم المسھدا

اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا کسی طرح کفار کو اس کی خبر لگی تو وہ بہت گھبرائے اور اُنھوں نے سوچا کہ اگر کہیں اعشیٰ اسلام لے آیا اور اس کا قصیدہ حضور کی شان میں عرب میں پھیل گیا تو غضب

ہی ہو جائے گا۔ پھر تو لوگ دھڑا دھڑ اسلام لانا شروع کر دیں گے۔ مگر چونکہ حق تعالےٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ ورأیت الناس یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً کا منظر کسی انسانی کوششوں کا رہین منت ہو بلکہ اُسے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بے شرکت غیرے خود ظاہر فرمانے والے تھے اس لئے یہ صورت پیدا ہوئی کہ کفار مکہ سو اونٹ لیکر راستہ ہی میں اُس سے جا کر ملے اور اُسے یہ انعام دیکر راستہ ہی سے واپس کر دیا۔ اس کی قسمت میں اسلام لانا نہ تھا۔ اتفاق یہ ہوا کہ منفوحہ پہونچنے بھی نہیں پایا تھا کہ اُس کی اونٹنی ٹھوکر کھا کر گری۔ اعشےٰ بھی اونٹنی سے نیچے گرا اور اُس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ یہ واقعہ ۶۲۹ء کا ہے۔

تبصرہ | اکثر مورخین ادبِ عربی امرؤ القیس کے بعد نابغہ کو اور نابغہ کے بعد زہیر اور اعشیٰ کو درجہ دیتے ہیں چنانچہ ان چاروں کو "اربعۃ الفحول" کہتے ہیں۔

۲۔ اعشیٰ بہت پُر گو شاعر تھا۔ کلام کی زیادتی میں یہ اُن سب میں ممتاز ہے۔

۳۔ شراب کی تعریف اور اُس میں مبالغہ اُس کا خاص مضمون ہے جس میں اُس کا کوئی حریف نہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کا فیصلہ مشہور ہے کہ گھوڑے کا وصف امرؤ القیس کا حصہ ہے۔ طمع اور رغبت کا مضمون زہیر سے بہتر کسی نے نہیں کہا خوف اور معذرت کے بیان میں نابغہ کا کوئی ہمسر نہیں اور شراب اور مستی کے ذکر میں اعشیٰ اپنا جواب نہیں رکھتا

۴۔ اس کے کلام میں زور اور تاثیر کا یہ حال تھا کہ اُس نے نہ معلوم کتنے گمنام اور ادنےٰ لوگوں کو مشہور اور باعزت بنا دیا اور کتنے باعزت کو ذلیل کر دیا۔ کسی مائل کو متنفر اور متنفر کو مائل بنا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا

۵۔ چونکہ یہ فارس اور روم کی سیر کو آیا اور مختلف قسم کے رؤسا کے پاس بیٹھ چکا تھا اس لئے اُس نے غیر ملک کے بعض الفاظ بھی اپنے اشعار میں داخل کر کے اُن میں ایک جداگانہ لطف پیدا کر دیا۔

۶۔ بعض ادبا کا خیال ہے کہ اگر اس کا شعر کوئی پڑھ رہا ہو تو چونکہ اعشیٰ کے کلام میں ایک خاص قسم کی موسیقی بلکہ گونج اور دلکشی ہے اس لئے یہ محسوس ہوتا کہ کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ مل کر گا رہا ہے۔

اُس کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

فآلیت لا ارثی لہا من کلالۃ — ولا من حفیً حتی تلاقی محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم)
نبیٌّ یری ما لا یرون و ذکرہٗ — اغار لعمری فی البلاد وانجدا
لہ صدقات ما تغبّ ونائل — ولیس عطاء الیوم یمنعہٗ غداً